عمیق نظر سے دیکھیں تو خلیفہ وقت کا ہر فیصلہ درست ہوتا ہے۔
خلیفہ جب فیصلہ کرتا ہے تو توکل پر بنا کر کے کرتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ نومبر ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ﴿۲۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۳۰﴾

(الرّعد: ۲۹-۳۰)

پھر فرمایا:-

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کے حوالے سے میں نے گزشتہ چند خطبات میں تبتّل الی اللہ کا مضمون بیان کیا تھا۔ اسی تحریر میں تبتّل کے بعد ذکر اللہ کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے اور نصیحت کی گئی ہے کہ تبتّل میں بھی ایک خاص رنگ ہو اور ذکر اللہ میں بھی ایک خاص رنگ ہو۔ اس پہلو سے تو آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ذکر اللہ کے مضمون پر خطبات کا سلسلہ چلے گا۔ اس ضمن میں میں جماعت کو پھر یاددہانی کراتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر اللہ کے موضوع پر ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر ایک بہت ہی گہری عالمانہ اور عارفانہ تقریر فرمائی تھی۔ چند سال پہلے میں نے متعلقہ نظارت کو نصیحت کی تھی کہ اس تحریر کو اور اس

کے علاوہ عرفان الٰہی اور بعض دیگر تقریروں میں مثلاً تربیت الٰہی وغیرہ کو کثرت سے شائع کرنا چاہئے تا کہ ہماری آج کی نسلیں بھی ان علوم اور عرفان کی باتوں سے فیض یافتہ ہوں جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے دور میں بکثرت ہر خطبے پر بھی اور جلسے کے دنوں میں خصوصیت کے ساتھ عام بانٹے جایا کرتے تھے۔ ایک لنگر کھلا ہوا تھا علم و عرفان کا ماشاء اللہ جس سے جماعت کی کئی نسلوں نے تربیت پائی ہے کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خلافت کا دور باون سالہ دور ہے۔ باون سال کے اندر جب یہ خلافت کا آغاز ہوا ہے تو بیک وقت تین نسلیں تو آپ کی مخاطب تھیں انصار بھی، خدام بھی، اطفال بھی۔ اس باون سالہ دور میں کئی پلٹے کھائے ہیں ان نسلوں نے اور جو طفل اس دن پیدا ہوا تھا جس دن آپ خلیفہ بنے ہیں اس کی عمر وصال کے وقت باون سال کی تھی لیکن ہر طفل اس عمر کا تو نہیں تھا اس لئے دو تین نسلیں ایسی ہیں جو آپ کی تربیت کے نیچے گزر گئیں اور اس طرح بہت سے تربیت کے امور میں ان کو استحکام نصیب ہوا ہے بوڑھے پیچھے جوان چھوڑ گئے، جوانوں نے بچوں کو جگہ دی اور بچے پیدا ہوئے۔ وہ بھی جوان ہوئے۔ بوڑھے ہونے والے بچوں نے کچھ بچے پیدا کئے ہوں گے جو جوان ہوئے، بڑھاپے کی طرف مائل ہوئے دو تین نسلیں ہیں جو فیض یافتہ تھیں۔ اس دور کے خطبات کو اور اس دور کی تقاریر کو جماعت کے سامنے بار بار لانا چاہئے۔

ذکر اللہ کے مضمون پر وہ تقریر ایک بہت ہی غیر معمولی اہمیت کی حامل تقریر ہے۔ اسے جماعت کو کثرت سے پڑھنا چاہئے۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ اس انداز کے علاوہ دوسرے انداز سے ذکر اللہ کے مضمون پر روشنی ڈالوں۔ چند باتیں دہرائی بھی جائیں گی۔ لیکن انداز الگ الگ ہوتے ہیں۔ میں نے جو طریق اپنے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہے کہ آیات قرآنی میں جہاں جہاں ذکر کا مضمون ملتا ہے اس کے حوالے سے جماعت کو نصیحت کروں اور جہاں تک بس چلے یہ سمجھاتا چلا جاؤں کہ قرآن کریم میں ہر تکرار میں کوئی نہ کوئی نیا مضمون ضرور داخل فرمایا جاتا ہے اور جس سیاق و سباق میں قرآن کریم کوئی ایک بات پیش فرماتا ہے اسی سیاق و سباق میں بھی جب وہی بات پھر دوبارہ پیش فرماتا ہے تو آیات کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محض وہی مضمون نہیں بلکہ کسی اور حکمت کے پیش نظر اسی بات کو دوہرایا جا رہا ہے لیکن جہاں سیاق و سباق بدل جائیں وہاں بہت سے نئے مضامین پیدا ہوتے ہیں۔ پس ذکر کے موضوع پر جب میں نے آیات کا مطالعہ کیا تو ایک بہت ہی وسیع مضمون ہے

اور چونکہ اور بھی بہت سے امور پر خطبات دینے ہوتے ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ مجھے اس مضمون کو مختصر کرنا پڑے لیکن اختصار کے باوجود میرا خیال ہے ممکن ہے اگلے چھ، سات یا شائد اس سے بھی زائد خطبات ذکر ہی کے مضمون پر چلیں گے اس مضمون میں داخل ہونے سے پہلے میں چند اعلانات کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اب تو یہ باقاعدہ خطبوں کا ایک مستقل حصہ بن چکا ہے۔ جہاں جہاں بھی اجتماعات ہورہے ہوں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے اجتماعات کا بھی اس خطبے میں ذکر خیر چلے اور اجتماعات کے حوالے سے کچھ نہ کچھ نصیحتیں بھی کی جائیں۔ آج ۸، ۹ نومبر کو مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی مجلس شوریٰ منعقد ہورہی ہے۔صدر صاحب جواب انصار میں جانے والے ہیں اور ان کی جگہ نئے صدر کا انتخاب ہو چکا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ میرے اس دور میں ہی اس شوریٰ میں میری شمولیت ہے چونکہ یہ آخری شمولیت ہوگی یہ لفظ تو انہوں نے نہیں کہے لیکن پسِ تحریر یہ دکھائی دے رہا تھا کہ ان کی خواہش ہے کہ اس آخری شوریٰ میں ان کی شرکت ہے میں ضرور ذکرِ خیر کروں اور کچھ نصیحت کروں۔ لجنہ اماء اللہ بہار کا صوبائی اجتماع ۱۳/ نومبر سے شروع ہورہا ہے ۱۴/ نومبر کو اختتام پذیر ہوگا۔ لجنہ اماء اللہ آندھرا پردیش کا صوبائی اجتماع بھی ۱۳ اور ۱۴/ نومبر یعنی کل اور پرسوں منعقد ہوگا۔

تحریک جدید کے سلسلے میں ایک اعلان بھی کرنا ہے اور پہلے میں وہ اعلان کر کے پھر دوبارہ اجتماعات کے مضمون کی طرف واپس آؤں گا۔ مکرم وکیل المال صاحب نے مجھے توجہ دلائی ہے اور بالکل درست توجہ دلائی ہے۔ اطفال اور ناصرات کو جو باقاعدہ اصطلاحی طور پر عمر میں چھوٹے ہیں یا ناصرہ کہلانے کی عمر سے چھوٹی ہیں، جو بچوں کی عمر میں ہیں یعنی ماں باپ کے زیرتربیت ہی رہتے ہیں، باقاعدہ کسی جماعت کے یا تنظیم کے سپرد نہیں ہوتے ان کو انصاراللہ کے سپرد کرنے کی بجائے تحریک جدید کے چندوں کے سلسلے میں ان کو لجنہ کے ہی سپرد کیا جائے۔ مجھے یاد آ گیا ہے کہ پہلے بھی ایک دفعہ میں نے ایک خطبے میں یہی نصیحت کی تھی کہ وہ بچے جو ابھی اس عمر کو نہیں پہنچتے یا وہ اطفال الاحمدیہ کے نظام میں داخل نہیں ہوئے یا ناصرات کے نظام میں داخل نہیں ہوئے۔ ان کی تربیت کا اوّل اور آخر فرض ماں باپ پر ہے اور سب سے زیادہ وہی ذمہ دار ہیں۔ پس اس پہلو سے ماں باپ میں سے زیادہ ماؤں پر انحصار ہے تو یہ ان کا مشورہ درست ہے۔ وہ جو پہلا اعلان تھا اس کو

کالعدم سمجھتے ہوئے اب یہ جماعت نوٹ کر لے کہ چھوٹی عمر کے بچوں کو چندوں کی عادت ڈالنا خصوصیت سے تحریک جدید میں شامل کرنا یہ ماؤں کا فرض ہے اور ماؤں کا انفرادی فرض تو ہے ہی لیکن لجنہ اماء اللہ کا اجتماعی فرض بھی ہوگا وہ اپنے ذمہ یہ کام سنبھالیں۔

اجتماعات کے سلسلے میں سب سے پہلے تو شوریٰ کی بات ہے۔شوریٰ کا نظام جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا نظام خلافت کے بعد نظام اسلام میں سب سے زیادہ اہم نظام ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس کا نبوت سے بھی تعلق ہے اور نبوت کے بعد خلافت سے بھی تعلق ہے سب سے زیادہ صاحب فہم اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب نبی ہوتا ہے۔صاحبِ فہم عام معاملات میں میں کہہ رہا ہوں۔یعنی اس کی عقل اتنی روشن ہوتی ہے کہ دنیا کے عام معاملات میں بھی سب سے زیادہ صاحبِ فہم ہوتا ہے اور تعلق باللہ کے نتیجے میں جو فیض اس کو عطا ہوتے ہیں ان میں اور کوئی غیر نبی برابر کا شریک نہیں ہوسکتا اور ان سب میں سب سے زیادہ فیض یافتہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔جن کی نبوت سے پہلے کی کیفیت کو بھی اللہ تعالیٰ نے نور کے طور پر بیان فرمایا۔فرمایا وہ پہلے ہی نور تھا ہاں جب شعلہ الہام نور بن کر اس کے دل پر اترا ہے تو نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (النور: ۳۶) ہو گیا۔ ایک نور دوسرے نور پر اترا ہے۔کسی شخصیت کا اتنا خوبصورت اور اتنا پاکیزہ تعارف دنیا کے کسی اور مذہب میں آپ کو دکھائی نہیں دے گا اور اس لئے دکھائی نہیں دے گا کہ ایسا ہوا ہی کبھی نہیں کہ کوئی شخص نبوت سے پہلے ہی مجسم نور ہو اور ادنیٰ بھی شائبہ اس میں ظلمت اور تاریکی کا نہ پایا جائے۔ پس آنحضرت ﷺ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ تھے اور دنیا میں آپؐ کی فراست کا تعلق بھی اسی نور سے تھا یعنی ہر معاملے میں آپؐ صاحبِ فہم اور صاحبِ فراست تھے اور نور اس حالت کو کہتے ہیں جس میں دکھائی دیتا ہے۔ جب ایک چیز صاف اور واضح دکھائی دے اسی کو دراصل عقل کہا جاتا ہے تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سب عقلمندوں سے بڑھ کر عقل مند تھے اور آئندہ بھی آپؐ سے بہتر عقل مند انسان پیدا نہیں ہوسکتا۔لیکن آپؐ کو بھی مشورے کا حکم دیا گیا تھا۔ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران: ۱۶۰) جب اہم امور کی باتیں ہوں تو ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران: ۱۶۰) لیکن پھر مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ تو نے کرنا ہے۔ پس مشورے کی قیمت اپنی جگہ ہے ۔نبیوں میں سے بھی نبیوں کا سرتاج حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی خدا تعالیٰ نے اس معاملہ میں مستثنیٰ قرار نہیں

دیا لیکن یہ فرمایا کہ مشورہ کر لیکن پھر فیصلہ خود کرنا ہے۔ پس مشورہ اپنی جگہ ضروری ہے اور اس کی بہت سی حکمتیں ہیں یعنی صرف یہ حکمت نہیں ہے کہ بعض پہلوؤں پر انسان کی نظر نہیں ہوتی، مشورے کے دوران وہ پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ پہلوؤں پر نظر نہ ہونا، عقل کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوتا دنیا کے حالات میں ہر چیز پر صرف خدا کی نظر ہے اور کوئی شخص کتنے ہی بڑے مقام سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو وہ عالم الغیب نہیں ہے پس مشورے میں بہتر عقل کی بات کی احتیاج کا ذکر نہیں ہے یہاں۔ اس لئے حکم نہیں دیا گیا آنحضور ﷺ کو، ہوسکتا ہے کہ نعوذ باللہ تجھ سے زیادہ عقل والا انسان کوئی اچھی بات تیرے سامنے پیش کردے۔ مراد صرف یہ ہے کہ تو عالم الغیب نہیں ہے اور بہت سے لوگوں کے علم میں باتیں ہیں۔ ساری باتیں تیرے علم میں آجائیں پھر فیصلے کا بہتر مجاز تو ہے یعنی آپؐ کی عقلی برتری کو بھی بڑے واضح الفاظ میں بیان فرما دیا اور بشری کیفیت کو بھی واضح طور پر بیان فرما دیا۔ مشورہ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ تجھ سے زیادہ روشن خیال لوگ موجود ہیں اس لئے ضروری ہے کہ بہت سی باتیں ان کے علم میں ہیں اور ہوسکتا ہے کہ تیرے علم میں نہ ہوں۔ جب سب باتیں سامنے آجائیں پھر صحیح فیصلہ ہوا کرتا ہے۔ جب فیصلے کا مقام آئے گا تو تو نے فیصلہ کرنا ہے۔ مشورہ لے قبول کر یا نہ کر یہ تیرا کام ہے۔

پس یہ ہے شوریٰ کی روح اور نظام جماعت میں یہی سلسلہ خلافت کے حوالے سے اسی طرح جاری ہے یعنی ہر خلیفہ وقت کو جماعت احمدیہ مشورہ دیتی ہے اور جماعت سے خلیفۂ وقت مشورے لیتا ہے۔ لیکن آخری فیصلہ خلیفۂ وقت خود کرتا ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نیابت میں اس مقام پر ہے جہاں خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی فراست کو اتنا نور ضرور عطا کر دیتا ہے کہ ہر دوسرے شخص سے بہتر فیصلہ کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے علم میں ساری باتیں آنی ضروری ہیں۔ جب علم میں سب باتیں آجاتی ہیں تو پھر وہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ درست نکلتا ہے اور اگر کوئی غلط فیصلہ ہو جائے تو اللہ ضامن ہے وہ فیصلوں کو خود درست کروا لیتا ہے۔

یہ دوسرا مضمون جو ہے یہ توکل الی اللہ میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ جب تو کسی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے تو اپنی ذات اور اپنی فراست پر توکل نہیں کرنا۔ اللہ جانتا ہے کہ تو بہت صاحبِ فراست ہے۔ تجھ جیسا نور خدا تعالیٰ نے کسی اور کو عطا نہیں کیا لیکن اس

کے باوجود چونکہ تو خدا کے سامنے جواب دہ ہے اس لئے جب تو فیصلہ کرتا ہے تو اپنی فراست پر، اپنی ذہانت پر، اپنی عقل مندی پر انحصار بالکل نہیں کرنا۔ اللہ پر توکّل کرنا ہے۔ اللہ پر توکل کے نتیجے میں اس فیصلے کو دوطرح سے برکت حاصل ہو جاتی ہے اور حفاظت مل جاتی ہے آخر انسان انسان ہے ہوسکتا ہے بعض حالات میں بعض مشوروں کے اثر کے نیچے ایک ایسا فیصلہ بھی کر لے جو بعینہٖ درست نہ ہو کیونکہ بعض دفعہ ایسے امور حقائق کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں جو فی الواقعۃً حقیقت نہیں ہوتے اور اس میں غلطی مشورہ دینے والوں کی انہوں نے بغیر چھان بین بعض واقعات پیش کر دیئے۔ فیصلہ کرنے والا ان واقعات کو نظر انداز کر کے فیصلہ نہیں کر سکتا اور اگر غلط واقعات پیش ہوں گے تو پھر بعض دفعہ فیصلے بھی اسی حد تک غلط ہو سکتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ایک موقع پر یہ تنبیہ فرمائی کہ جب آپس میں تم لوگوں کے اختلافات ہوتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی فریق اپنی چرب زبانی کے نتیجے میں اپنے معاملے کو اس طرح پیش کرے کہ حق کو چھپا دے۔ جو مجھے دکھائی دے گا میں اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اس صورت میں ہوسکتا ہے یعنی بہت بعید کی بات ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ واقعہ ہوا کبھی نہیں مگر آنحضرت ﷺ نے اپنے انکسار کی وجہ سے امت کو سمجھانے کی خاطر یہ بتایا ہے کہ اگر مجھ سے ہوسکتا ہے تو تم سے یقیناً ہوسکتا ہے۔ فرمایا ہوسکتا ہے کہ میں اس اثر کے نتیجے میں غلط باتیں میرے سامنے کی گئی ہیں اور اس رنگ میں کی گئی ہیں کہ میں ان کو سچ تسلیم کر بیٹھا ہوں کسی کا حق کسی اور کو دے دوں۔ فرمایا ایسی صورت میں جس کو وہ حق دیا گیا ہے وہ یاد رکھے کہ حق کے طور پر نہیں دیا گیا وہ ایک جہنم کا ٹکڑا ہے جسے وہ کھائے گا۔ اس میں بھی بہت ہی گہری حکمت ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم اس فیصلے کے پابند نہیں رہے۔ خود فرما رہے ہیں ممکن ہے کسی شخص کے جھوٹے بیان کی وجہ سے ایسے حالات میرے سامنے رکھ دیئے جائیں کہ میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے کسی کا حق کسی اور کے سپرد کر دوں۔ فرمایا یہ بعید از امکان نہیں ہے مگر ایسا کروں تو یہ نہیں فرمایا کہ پھر جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے وہ چونکہ جانتا ہے کہ اس کا حق ہے وہ بغاوت کر دے اور کہے کہ نہیں میں یہ حق نہیں چھوڑوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے **نعوذ باللہ من ذالک** غلطی کی ہو۔ دوسرے کے متعلق بھی یہ نہیں فرمایا کہ ایسا فیصلہ غلط ہوگا۔ یہ فرمایا ہے کہ تم حق لے لو گے تو جہنم لو گے اور اس طرح عالم انصاف کو فساد سے بھی بچا لیا اور دور کے غلطی کے احتمال کا ایک توڑ بھی اس فیصلے میں رکھ

دیا۔ یعنی جس کے حق میں غلط فیصلہ ہو جاتا ہے وہ پھر ذمہ دار ہو جاتا ہے کہ حق میں فیصلہ ہونے کے باوجود از خود اسے واپس کرے۔ تو یہ ہے کہ نظام شوریٰ کی روح میں آپ کے سامنے کھول کر بیان کر رہا ہوں۔ بعض دفعہ غلط فیصلہ ہو سکتا ہے اگر حقائق غلط ہوں۔

جہاں تک حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کا تعلق ہے میں نے جہاں تک مطالعہ کیا ہے ایک چھوٹا سا شائبہ بھی اس بات کا دکھائی نہیں دیا کہ آپ کا فیصلہ غلط ہو گیا ہو۔ ہاں وقتی طور پر لاعلمی کے نتیجے میں فیصلے میں تردّد فرمایا ہے اور اس کی وجہ سے بعض دفعہ کسی کو تکلیف پہنچی ہے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ کا واقعہ ہے جسے واقعہ اِفک کے نام سے سب جانتے ہیں۔ اس ضمن میں جو واقعات آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے ان کی وجہ سے آپؐ نے یکطرفہ فیصلہ نہیں کیا مگر جو حضرت عائشہؓ کا حق تھا کہ آنحضور ﷺ ان کی بریت کرتے کچھ عرصے تک وہ اس حق سے محروم رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے طور پر خود بریت فرمائی۔ اس عرصے میں حضرت عائشہؓ کی جو کیفیت تھی، جو حالت تھی غم کی۔ اس کا اس سے تصور کریں کہ جب آنحضرت ﷺ نے جا کر خوشخبری دی کہ اے عائشہؓ! تجھے خدا نے بری کر دیا ہے تو یہ کہا کہ آپؐ نے تو نہ کیا۔ عورتوں کا ایک خاص انداز ہے شکوے کا آپؐ نے تو مجھے دکھ میں مبتلا رکھا ہے۔ تو یہ وہ مثال ہے کہ ایک بات کا علم نہیں تھا اس وجہ سے احتیاط برتی ہے، اپنے رشتے اپنے قرب کی وجہ سے جانتے ہوں گے ضرور، یہ میں نہیں کہہ سکتا لیکن قانونی طور پر شاید یہ نہ سمجھتے ہوں کہ میں اگر یہ فیصلہ دوں گا تو انصاف کی دنیا میں ایک صحیح مثال قائم کرے گا۔ ہو سکتا ہے یہ خوف دامنگیر ہو۔ ایک انسان ذاتی طور پر کسی کو بری الذّمہ سمجھتا ہے لیکن ظاہری حالات میں چھان بین اس حد تک نہیں پہنچی ہوتی کہ اسے بری قرار دے سکے اور اگر قرار دے دے تو پھر اپنے دل کے اطمینان کے مطابق کسی کو بری قرار دے دینا آئندہ انصاف کی دنیا میں کئی قسم کے ابہام پیدا کر سکتا ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کئی قسم کی ایسی وجوہات سامنے آتی ہیں جن کی وجہ سے ممکن ہے کہ آنحضور ﷺ نے جانتے ہوئے بھی حضرت عائشہؓ کی بریت نہ فرمائی ہو لیکن خدا نے فرمائی۔

یہ توکّل کا مضمون ہے اگر توکّل کرو گے تو دو باتوں میں سے ایک ضرور ہو گی اگر غلط فیصلہ ہے تو اللہ درست فرما دے گا کیونکہ جس کی ذات پر توکّل کر کے تم نے فیصلہ کیا ہے وہ ذمہ دار ہے کہ تمہاری غلطیوں کو بھی درست کر دے گا۔ دوسری بات یہ کہ ان غلطیوں کے خمیازے سے ان سب

لوگوں کو بچائے گا جن پر اس کا اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ جو برکت ہے ذاتی طور پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا فیض ہے جو آگے خلافت کو پہنچا ہے اور میں نے خلافت اولیٰ یعنی اوّل زمانہ کی خلافت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی خلافت جسے خلافت راشدہ کہا جاتا ہے اس پر بھی غور کیا ہے اور میں کامل یقین سے کہہ سکتا ہوں ہر مشورے کے بعد ہر خلیفہ کا فیصلہ درست تھا۔ مؤرخ جو چاہے اس میں بعض دفعہ ابہام پیدا کرنے کی کوشش کرے لیکن بہت سے ایسے فیصلے ہیں جن کے بعد آپ کو فتنے بھی دکھائی دیتے ہیں مگر اگر عمیق نظر سے دیکھیں تو ہر خلیفہ کا فیصلہ درست ثابت ہوتا ہے اور خلافت کے آخرین کے دور میں جو خلافت جاری ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کہلاتی ہے اس میں بھی میرا یہی مشاہدہ ہے میں نے بڑی گہری نظر سے حضرت مصلح موعودؓ کے دور کی تمام مجلس شوریٰ کی کارروائیوں کو پڑھا ہے بہت سے ایسے فیصلے ہیں جو میری نظر میں ہیں جن کا میں خود گواہ ہوں۔ اول تو آپ کو یہ بات دکھائی دے گی کہ اکثر صورتوں میں خلیفہ وقت اکثریت کے فیصلے کو قبول کر لیتا ہے۔ شاذ ہی کوئی ایسی بات ہوتی ہے جس میں قبول نہیں کرتا۔ لیکن جہاں قبول نہیں کرتا وہاں ہمیشہ وہی درست نکلتا ہے اور جماعت ہمیشہ گواہ بن جاتی ہے کہ ہاں یہی بات درست تھی۔ ہم سے کوتاہی ہوگئی۔ پس جن لوگوں نے مجلس شوریٰ کی کارروائیوں کا مطالعہ کیا ہوان پر تو یہ بات اتنی کھل جاتی ہے کہ کسی وہم، کسی شک کا سوال بھی باقی نہیں رہتا۔ لیکن جنہوں نے وہ دور دیکھا ہے اور خود مطالعہ نہیں کیا وہ خود ایک مجسم گواہ بنے بیٹھے ہیں۔

پس خلافت کے ساتھ شوریٰ کا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے فیض کے نتیجے میں ایک ویسا ہی رشتہ بن گیا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شوریٰ کا ایک رشتہ اللہ تعالیٰ نے قرار دیا تھا اور خلیفہ بھی جب فیصلہ کرتا ہے تو توکل پر بنا رکھتے ہوئے کرتا ہے۔ اگر کوئی فیصلہ اکثریت کا نہیں مانتا تو ناممکن ہے کہ دعا کر کے، توکل کرتے ہوئے وہ الگ فیصلہ نہ کرے۔ جب بھی کرتا ہے خوف کے ساتھ، انکسار کے ساتھ، دعا کر کے، خدا سے ہدایت مانگتے ہوئے اور پھر فیصلے کے وقت اسی پر توکل کرتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ جو مجالس شوریٰ ہیں۔ ان میں ہر صدر مجلس شوریٰ کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو فی ذاتہٖ یہ تحفظ حاصل نہیں ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ دنیا کی جتنی بھی دوسری مجالسِ

شوریٰ ہیں۔ان کے صدران کے مقابل پر احمدی صدر کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ نسبتاً زیادہ روشنی عطا کرتا ہے، اس کی زیادہ حفاظت کرتا ہے اور الا ما شاء اللّٰہ بہت احتیاط کے ساتھ مجلس شوریٰ کی کارروائی کرواتے اور لوگوں کے حقوق کا خیال رکھتے اور مشوروں پر غور کرتے ہیں لیکن آخری فیصلے کے پھر بھی وہ مجاز نہیں ہیں۔اس لئے ایسی تمام مجالس شوریٰ جو دنیا میں کہیں بھی منعقد ہو رہی ہوں۔ ان سب کے فیصلے آخری فیصلے کے لئے خلافت کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔اب چونکہ ذیلی تنظیموں کا نظام عام ہو رہا ہے، اب چونکہ جماعت کی مجالس شوریٰ کا نظام بھی ساری دنیا میں عام ہو رہا ہے۔اس لئے اس موقعے پر میں سمجھتا ہوں کہ ان باتوں کو پھر یاد کرواؤں کہ آپ کی مجلس شوریٰ کے فیصلے خواہ کسی بھی حیثیت میں وہ مجلس شوریٰ منعقد ہوئی ہو فیصلے ایک رنگ میں تو فیصلے کہلا سکتے ہیں ایک رنگ میں محض مشورے ہیں۔فیصلہ ان معنوں میں کہ وہاں کی اکثریت نے یہ بات طے کی اور اس مجلس کے صدر نے بھی اس سے اتفاق کر لیا لیکن حقیقی معنوں میں وہ آخری فیصلہ شمار نہیں ہو سکتے جب تک کہ خلافت کی طرف سے ان پر صاد نہ ہو جائے اور اسی لئے بکثرت ایسے فیصلوں پر مجھے غور کرنا پڑتا ہے جو دنیا کے کونے کونے سے مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے طور پر میرے سامنے پیش ہوتے ہیں اور قرآنی نظام کی صداقت اور عظمت کا گہرا احساس دل میں پیدا ہوتا ہے۔اگر یہ نظام نہ ہوتا تو جماعت بکثرت دھوکے کھاتی ٹھوکروں میں مبتلا ہوتی، ایک نظام اور ایک وحدت سے منسلک رہنے کی بجائے مختلف راستے اختیار کر لیتی ،مختلف مجالس شوریٰ کے فیصلے ایک ہی ملک میں دوسری مجالس شوریٰ کے فیصلوں سے متصادم ہو جاتے اور ذیلی جماعتوں کے فیصلے جماعتی فیصلوں سے متصادم ہو جاتے۔ ایک فساد کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

پس یہ بھی اسی آیت کریمہ کا فیض ہے۔وَ شَاوِرۡهُمۡ فِي الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ کہ فیصلے کا مرکز ایک ہی رکھا ہے اور باقی سارے غور مشورے کی حد تک ہیں۔ یہ سارے فیصلے جب ایک مرکز خیال میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک مرکزِ فکر میں زیرِ غور لائے جاتے ہیں تو تمام فیصلوں میں یک جہتی پائی جاتی ہے اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور کہیں کوئی افتراق کا کوئی شائبہ بھی باقی نہیں رہتا۔کل عالم کا نظامِ جماعت ایک ہی سمت میں قدم بہ قدم آگے بڑھتا ہے اور اس طرح قدم ملا کر آگے بڑھتا ہے کہ سب کا رخ بھی وہی اور سب کی آواز بھی ایک ہی

طرح اٹھتی اور ایک ہی طرح خاموش ہوتی ہے۔ایک بہت ہی خوب صورت نظام ہے،اس نظام کی قدر کرنی چاہئے اور اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔اس نظام کا ڈکٹیٹر شپ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ فیصلے جو خلیفہ وقت کی طرف سے صادر ہوتے ہیں اگر ان کا مطالعہ کر لیں اور ان مشوروں پر غور کریں جو بھیجے گئے تھے تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے جماعت کو غلط فیصلوں سے محفوظ رکھا اور ایک جگہ بھی کسی ایک ادنیٰ سے موقعے پر بھی خلیفہ کا فیصلہ آمرانہ نہیں ہوتا۔ ایک معقول وجہ پر مبنی ہوتا ہے جس کی وہ وضاحت کرتا ہے اور ہر دل مطمئن ہو جاتا ہے۔چنانچہ جب یہ فیصلے جماعتوں کو پہنچتے ہیں تو اختلافی فیصلوں کے متعلق بہت زیادہ تشکر کے اظہار آتے ہیں۔ بہ نسبت موافقانہ فیصلوں کے مجھے اپنے اس مختصر دور میں ایک بھی مثال یاد نہیں کہ کسی مجلس شوریٰ کے فیصلے کو ترمیم کے ساتھ قبول کیا ہو یا رد کیا ہو اور وضاحت کی ہو کہ کیوں ایسا کیا گیا ہے۔تو کسی کی طرف سے شکوے کا اظہار ہوا ہو کہ او ہو ہو آپ نے ہماری اکثریت کی رائے کو رد کر دیا اور ٹھیک نہیں کیا۔ بلاشبہ ہر دفعہ اظہارِ تشکر اور دعاؤں پر مبنی خطوط ملتے ہیں کہ اس طرف ہماری نظر نہیں گئی اور بڑا اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایک بڑی ٹھوکر سے بچا لیا اور نظامِ جماعت کی خود حفاظت فرمائی۔ پس نظامِ شوریٰ جو اہمیت رکھتا ہے۔ یاد رکھیں یہ نظام خلافت کے ساتھ وابستہ رہ کر اہمیت رکھتا ہے۔اگر اس نظام کو خلافت کے نظام سے الگ کر دیا اور بے تعلق کر کے اس سے استفادے کی کوشش کی۔تو یہ فائدے کی بجائے آپ کی ہلاکت کا موجب بھی بن سکتا ہے کیونکہ یہ شوریٰ پھر جماعت میں انتشار پیدا کر دے گی اور طرح طرح کے وساوس جماعت میں داخل ہونا شروع ہو جائیں گے۔

پس مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی شوریٰ ہو یا دنیا میں کہیں اور شوریٰ منعقد ہو رہی ہو یا آئندہ ہو ان سب کو میری ایک ہی نصیحت ہے کہ شوریٰ کی روح کو سمجھیں اور یاد رکھیں کہ اگر آپ مجالس شوریٰ کو نظام خلافت سے وابستہ رکھیں گے اور ایک ہی وجود کے دو اجزا کے طور پر ان سے استفادہ کریں گے تو اس آیتِ کریمہ کی برکت ابد تک آپ کے ساتھ رہے گی اور آپ کی حفاظت کرے گی اور فیصلہ کرنے والے کا اللہ پر توکل ساری جماعت کا توکل بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ ساری جماعت کو اس توکل کی جزا دے گا اور غلطیوں سے ان کو محفوظ فرمائے گا اور تمام فیصلوں میں برکت رکھے گا اور ان پر صحیح معنوں میں عمل درآمد کی توفیق بخشے گا۔

پس اس نصیحت کے بعد میں لجنہ اماء اللہ بہار کی درخواست کی طرف اور بہار اور اس کے علاوہ آندھرا پردیش کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ اس موقعے پر ہمیں بھی کوئی نصیحت فرمائی جائے۔ لجنہ کو جو میری نصیحت ہے اس کا دراصل تبتل ہی سے ایک تعلق ہے کیونکہ تبتل کا مضمون اگر اس کو گہری نظر سے دیکھیں تو ہر بری عادت ہر غلط چیز سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجحان کا مضمون ہے اور یہ ایسا مضمون ہے جو زندگی کے ہر دائرے پر محیط ہے۔

خواتین کی تربیت کے حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ بعض بدیاں جو رفتہ رفتہ خواتین میں راہ پا جاتیں ہیں۔ ان کی طرف متوجہ کروں اور یہ ایسی بدیاں ہیں جو بار بار نکال دینے کے باوجود پھر واپس داخل ہو جاتی ہیں۔ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو کان پکڑ کر بار بار اٹھایا جائے کہ چھوڑو اس مجلس سے تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ تو پھر کسی دوسرے رستے سے آ کر وہیں بیٹھ جائے۔ پس بعض بدیاں ہیں جو نفسیاتی لحاظ سے بعض ایسے رخنوں سے داخل ہو جاتی ہیں۔ جہاں انسانی نفس عملاً ان کو بلاتا ہے اور دعوت دیتا ہے۔ پس ایک طرف سے ایک نکالنے والا اعلان کرتا ہے کہ نکلو نکلو یہ جگہ چھوڑو تمہارا یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ دوسری طرف سے تمام نفسوں کے اندر ایک آواز دینے والا پیدا ہوتا ہے کہ ٹھیک ہے تمہیں نکالا جاتا تھا لیکن مستقل تو نہ پیچھا چھوڑ دو، کبھی کبھی آ بھی جایا کرو، آؤ مل بیٹھتے ہیں۔ کچھ لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ جو بدیاں ہیں ان میں رسم و رواج کی بدیاں ہیں، ان بدیوں میں بے پردگی کا رجحان ہے۔ ان بدیوں میں سماج سے متاثر ہو کر بعض حرکتوں میں ملوث ہونے کی عادتیں ہیں۔ یہ تمام وہ بدیاں ہیں جو بار بار احمدی خواتین میں داخل ہونے کی کوشش کرتیں ہیں اور بار بار ان کو باہر نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد جب خواتین سمجھتی ہیں کہ یہ بات پرانی ہوگئی۔ تو پھر ان کو دعوت دیتیں ہیں کہ آ جاؤ اب کافی جدائی ہوگئی، اب پھر کچھ دیر مل بیٹھتے ہیں۔ تو اب مجھے پھر اطلاعیں ایسی مل رہی ہیں کہ بعض بدیاں بڑے زور کے ساتھ دوبارہ احمدی خواتین کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جماعت کی تقریبات میں داخل ہو رہی ہیں۔

سب سے پہلے پردے سے متعلق میں بات کرنا چاہتا ہوں کہ رفتہ رفتہ وہ پردہ جو برقعے سے چادر بنا تھا اب وہ ایسی چادر بن گیا ہے جو سر سے سرک کر کندھوں پر آ گئی ہے اور کندھوں سے بھی سرکتی جا رہی ہے اور بعض دفعہ پھر کہتے ہیں کہ جب خالی چادر ہی اٹھانی ہے تو پھر کیا فائدہ پھینکو اس کو۔

دکھاوا ہی ہے ناں ایک اور پھر وہ چادر کندھے سے بھی اتر جاتی ہے۔ مجھے بہت سے طعنے ملتے ہیں جماعت کی بعض پردہ دار خواتین کی طرف سے کہ آپ ان سے پردہ پوشی کررہے ہیں۔ ایک نے تو مجھے یہ بھی لکھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ انگلستان جا کے آپ بہت ماڈرن ہو گئے ہیں اور بعض باتوں کی طرف اب عمداً توجہ نہیں دیتے حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ جو بات درست ہے وہ میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔ کہ اس میں میرا قصور ہے تو کس حد تک ہے۔

ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ تربیت میں ڈنڈا نہیں چلا کرتا اور جب بھی چلتا ہے وقتی فائدہ دیتا ہے اور اس کے ساتھ نقصان بھی بہت پہنچا جاتا ہے۔ تو شروع سے ہی میرا طبعی رجحان اس طرف ہے کہ تربیت میں اگر آپ ڈنڈا نہیں چلائیں گے تو پھر دوسرے طریق پر بہت محنت کرنی پڑے گی۔ اور بار بار ان باتوں کو چھیڑنا پڑے گا، مختلف طریق پر جماعت کو سمجھانا پڑے گا، ایک دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس سے کیا فائدہ ہو رہا ہے اور بیماری پھر بھی دکھائی دے رہی ہے۔ لیکن یہ اس کی کم نظری ہے۔ ڈنڈے کی صفائی اول تو دل کی صفائی نہیں ہوا کرتی۔ اس میں سرخمیدہ ہو سکتے ہیں لیکن ٹیڑھے مزاج سیدھے نہیں ہوا کرتے۔ نصیحت کے اثرات کے تابع اگرچہ آہستہ اثر ہو یا تھوڑا اثر ہو مگر ایسے اثرات پیدا ہوتے ہیں جو رفتہ رفتہ قوم کی سرشت بننے لگ جاتے ہیں۔ اگر ایک سال میں ایسی بات نہ ہو دو میں نہ ہو دس میں نہ ہو۔ بیس سال میں بھی نہ ہو۔ تب بھی قرآنِ کریم کا یہ فیصلہ لازماً سچا نکلتا ہے فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ (الاعلیٰ:۱۰) اے محمد ﷺ تو نصیحت کر اور کرتا چلا جا اور ہم تجھے یقین دلاتے ہیں کہ نصیحت ضرور فائدہ مند ہوگی۔

پس جہاں تک پردے کے متعلق نصیحت کا تعلق ہے۔ میں نے خلافت کا آغاز ہی اس نصیحت سے کیا تھا اور لجنہ اماء اللہ کو نہیں بلکہ جلسہ سالانہ میں خواتین کے اجتماع کے موقع پر ان کے جلسہ سالانہ پر پہلا خطاب ہی اس موضوع پر رکھا تھا اور اس کے بعد مسلسل مختلف وقتوں میں مختلف طریق پر سمجھانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ لجنات کے خطاب میں جرمنی میں بھی اور امریکہ میں بھی۔ انگلستان میں بھی دوسرے خطبات میں بھی عورتوں کو نصیحت کرتا رہا ہوں کہ پردہ اگر برقع نہیں ہے تو کچھ تو ہے ناں۔ جو کچھ ہے اس کی تو حفاظت کرو۔ یہ درست ہے کہ ہر معاشرے میں ہر حالات میں بعینہٖ وہ برقع پردہ نہیں جو پاکستان میں رائج ہے یا ہندوستان میں رائج ہے۔ اگر اسی کو بعینہٖ پردہ سمجھا

جائے تو عرب میں کچھ اور رنگ کا ہے، انڈونیشیا میں اور رنگ کا ہے، مختلف ممالک میں اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ انگلستان میں اور رنگ کا ہے، امریکہ میں اور رنگ کا اور جرمنی میں اور رنگ کا ہر جگہ رنگ بدلے ہیں۔

لیکن سب سے اہم بات جس سے یہ معترض نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ان کے اپنے ملک میں بھی مختلف معاشروں میں اور اور رنگ کے پردے ہیں۔ کھیتوں میں عورتیں جب اپنے خاوندوں یا بھائیوں وغیرہ کی روٹی لے کر جاتیں ہیں۔ تو وہ کون سے برقعے پہن کے جاتی ہیں۔ روزمرہ کھیتوں میں کام کرتی ہیں، دودھ بیچنے والیاں آتی ہیں اور اچھی شریف بیبیاں ہوتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ بہت سی احمدی جماعتوں میں وہی رواج ہیں جو کہ دیگر دیہات میں ہیں۔ یہ اعتراض کرنے والے ان پر نہیں کرتے کیا اس وقت یہ ماڈرن ہو چکے ہوتے ہیں۔ اصل میں ان کا ضمیر یہ گواہی دے رہا ہوتا ہے۔ پردہ حالات کے مطابق ہوا کرتا ہے اور پردے کی ایک روح ہے۔ اس روح کی حفاظت ضروری ہے۔

پس کھیتوں میں کام کرنے والی اگر گھونگھٹ لیتی ہے اور اس حد تک لیتی ہے کہ راستے میں ٹھوکریں نہ کھاتی پھرے بلکہ اس کو رستہ دکھائی دے اور اپنے آپ کو اس حد تک ڈھانپ کر رکھتی ہے اور اس حد تک لجاجت سے چلتی ہے کہ اس کی حیا نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس کے بدن کے حسن سے باہر اس کی حیا دکھائی دینے لگتی ہے۔ چنانچہ یہ جو کیفیت ہے یہ حقیقت میں پردہ ہے اور پردے کی حقیقی روح اس کے اندر داخل ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس ایک بیٹی کو جو حضرت موسیٰ کو یہ پیغام دینے کے لئے واپس آئی تھی کہ میرا باپ تجھے بلا رہا ہے۔ اس کی چال کے متعلق فرمایا کہ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ وہ حیا کے ساتھ لچکتی ہوئی آئی تھی۔ ایک لچک ہوتی ہے جو انسان اپنے حسن کو ظاہر کرنے کے لئے، دکھانے کے لئے لوگوں کی نظروں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ ایک حیا کے نتیجے میں عورت جھولتی ہے اور اس کے بدن میں ایک لچک پیدا ہو جاتی ہے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جو شرما کر چلنے والی عورت ہے۔ اس کی حیا اس کا پردہ بن جاتی ہے اور نظروں کو دھکا دیتی ہے کہ خبردار جو مجھے بری نظر سے دیکھا پس پردے کی روح کو سمجھنا

چاہئے اور روح کی حفاظت کرنی چاہئے۔ جہاں پردہ برقعے کی صورت میں رائج ہو چکا وہاں بہت بڑا خطرے کا مقام ہے یہ کہہ کر کہ پردے کی روح تو ہم قائم رکھ رہی ہیں برقعے کی کیا ضرورت ہے۔ انسان برقعے کو اتار پھینکے کیونکہ یہ بات سچی بھی ہوسکتی ہے جھوٹی بھی ہوسکتی ہے اور اکثر صورتوں میں جھوٹی ہوتی ہے۔ وہ خواتین جو برقع اتار کے پھینکتی ہیں۔ اگر ان کو واقعۃً پردے کی روح پیاری ہو تو اپنی خاطر نہ سہی اپنی اولاد کی خاطر اس مصیبت کو کچھ دیر اور برداشت کر لیتی ہیں۔ جانتی ہیں کہ یہ پردہ اس طرح ضروری نہیں جانتی ہیں کہ مجھ میں خدا تعالیٰ نے مجھے عفت عطا کی ہے مجھے حیا عطا کی ہے۔ میں ہرگز کسی غیر کو نہ بری نظر سے دیکھتی ہوں نہ اس کی بری نظر کو دعوت دیتی ہوں۔ پھر بھی وہ برقعے کو اس لئے جاری رکھتیں ہیں کہ ان کی آگے بچیاں ہیں کہیں وہ غلط پیغام نہ لے لیں۔

عام طور پر وہی اتارتی ہیں جن کے سامنے بہانہ تو یہ ہوتا ہے کہ ہم روح کو قائم رکھ رہی ہیں آپ کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کی نظر دل پر ہوتی ہے۔ **انما الاعمال بالنیات** (بخاری کتاب الوحی حدیث نمبر:۱) اعمال کا فیصلہ نیتوں پر ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقت میں جو دل کی گہرائی کا فیصلہ ہے وہ یہ ہے کہ اس مصیبت سے نجات پانا چاہتے ہیں۔ دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے ہم ابھی تک برقعوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور برقعوں سے نکل کر جو دنیا دکھائی دیتی ہے وہ ان کو زینت دکھائی دیتی ہے، وہ دلکش دکھائی دیتی ہے اور جب وہ برقع پھینکتی ہیں تو وہیں ٹھہرتیں نہیں پھر اس دلکشی کی طرف ضرور حرکت کرتی ہیں۔ ضرور قدم اٹھاتیں ہیں کہ اس زینت سے کچھ حصہ پالیں جس کے غیر مزے اڑا رہے ہیں۔ یعنی ان کا قدم احمدی معاشرے سے غیر احمدی معاشرے کی طرف، مسلم معاشرے سے غیر مسلم معاشرے کی طرف ضرور اٹھتا ہے۔ اگر یہ اٹھ رہا ہے تو ان کے نفس کا بہانہ جھوٹا تھا۔ انہوں نے پردے کی شکل نہیں بدلی پردے کو رد کیا ہے اور بیک وقت رد کرنے کی طاقت نہیں اس لئے رفتہ رفتہ منزل بہ منزل رد کرنا چاہتی ہیں۔ پہلے چادر میں آئیں گی، پھر چادر سرکے گی، پھر چادر اٹھا کے پھینک دی جائے گی، پھر مکس پارٹیاں ہوں گی، پھر کلبوں میں جانا شروع ہوں گے۔ اور ان کے دیکھتے دیکھتے ان کی بیٹیاں ان سے دس قدم اور آگے بھاگ رہی ہوں گی اور جب وہ ہاتھ سے نکلیں گی جب غیروں سے شادیاں کریں گی یا بغیر شادی کے بھاگ جائیں گی تو پھر وہ روتی ہوئی میرے پاس آئیں گی یا کسی اور کے پاس پہنچیں گی کہ دیکھو جی یہ معاشرہ کیسا زہریلا ہے کتنا

خطرناک ہے ہم کیا کریں اب ہمارا بس کوئی نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں جانتی کہ ان کا بس تھا انہوں نے استعمال نہیں کیا بچپن سے اپنی اولاد کو غلط پیغام دیا ہے۔ بہانے تراشے ہیں اور حیا کے ساتھ اپنی عزت کی حفاظت نہیں کی اور بچے اس پیغام کو خوب سمجھتے ہیں اور جب وہ سمجھ لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس پر چھوٹے موٹے بہانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ پھر نکلو دنیا میں آزادی کے ساتھ جو چاہو کرتے پھرو۔

پس عورتوں کا قوم کی تربیت میں بہت گہرا دخل ہے اور بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ایسی اطلاعیں ملتی ہیں کہ جن سے پتا چلتا ہے کہ ہمارے بیاہ شادی کے موقعے پر تو بہت ہی زیادہ بے احتیاطیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ بعض دفعہ باراتیں آتی ہیں اور ایسے خاندانوں کی جن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر ہوں لیکن ان گھروں میں باراتیں آتیں ہیں وہ بہانہ یہ بناتے ہیں کہ بارات تو ہمارے قبضے کی نہیں تھی۔ پوری بے پردہ بارات اس میں غیر احمدی بھی بے پردہ اور احمدی عورتیں بھی بے پردہ اور مل جل کر اکٹھے ایک ہی ہال میں دعوتیں منائی جا رہی ہیں اور اگر کوئی اعتراض کرے تو اس سے وہ لڑتے ہیں اس سے جھگڑتے ہیں کہ تم کون ہوتے ہو ہمارے اندر دخل دینے والے۔

اس ضمن میں یہ بھی سمجھانا ضروری ہے کہ اعتراض اگر کریں گے تو پھر یہی سلوک ہوگا۔ قرآن کریم نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ جب تم معاشرے میں کوئی برائی دیکھو تو اعتراض کرو۔ یہ اعتراض بھی ایک خاص انداز کی بات ہے۔ یہ فرمایا ہے اسے دور کرو یعنی اول مقصد برائی کو دور کرنا ہے۔ جس انداز سے وہ دور ہو سکتی ہے وہی صحیح انداز ہے۔ اگر دور ہونے کی بجائے وہ بڑھ جائے یا بغاوت میں تبدیل ہو جائے تو قرآنی ہدایت کی خلاف ورزی کے نتیجے میں ایسا ہوگا۔ فرمایا اس کو دور کرو اور اگر دور کرنے کی طاقت نہیں ہے تو نصیحت کے ذریعے اسے روکنے کی کوشش کرو۔ پس نصیحت اور اعتراض میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جب ایک انسان نصیحت کرتا ہے تو نصیحت کا انداز وہ کس سے سیکھے گا۔ معترضین سے؟ یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے؟ آنحضرت ﷺ کی نصیحت کے نتیجے میں کبھی کسی کو دھکا نہیں لگا۔ آنحضور ﷺ کی نصیحت کے نتیجے میں کبھی کسی کی عزت نفس مجروح نہیں ہوئی بلکہ اس نصیحت میں پیار بھی پایا جاتا تھا اور درد بھی پایا جاتا تھا اور پھر حتی المقدور یہ احتیاط ہوتی تھی اس نصیحت کے نتیجے میں اس شخص کی دوسروں کے سامنے سبکی نہ ہو۔

پس نصیحت کے اس انداز کا فقدان اعتراض ہے اور بعض لوگ جماعت میں نیکی کے نام پر گویا اپنی ذات کو یہ کریڈٹ دے رہے ہوتے ہیں، خود یہ سہرا اپنے سر پر لگا رہے ہوتے ہیں کہ دیکھو ہم ناصح ہیں۔ ہمیں تو یہ باتیں پسند نہیں اور کہتے اس انداز سے ہیں کہ ان کی انا کو تو خراجِ تحسین ہو جاتا ہے۔لیکن جس کو کہی جاتی ہے اس کو بات فائدہ نہیں پہنچاتی، اس کا غلط ردعمل پیدا ہو جاتا ہے۔

پس اگر ایسے مواقع ہیں جہاں اس قسم کی ناواجب حرکتیں ہو رہی ہیں۔تو اسلامی تعلیم کے مطابق کام کریں۔ اسلامی تعلیم کے مطابق وہ خاندان کے بڑے جن کے اختیار میں یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو روک دیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان باتوں کو روکیں کیونکہ گھر کے بڑے کہیں کہ اگر ایسی حرکت ہوگی تو ہم شامل نہیں ہوں گے۔ اگر یہ ایسا کہیں تو ان کی بات کا ضرور اثر ہوتا ہے۔ روک دینے سے مراد یہ ہے کہ اگر تم میں روکنے کی طاقت ہے سہی طریق پر تو روکو اور جن لوگوں نے نہیں روکا وہ باقاعدہ مجرم بن جاتے ہیں اور اگر روکنے کی طاقت نہیں تو زبان سے سمجھاؤ اور زبان کے سمجھانے میں جیسا کہ میں نے بیان کیا طعن آمیزی کا رنگ نہیں ہونا چاہئے۔ جہاں طعن آیا وہاں بات اثر چھوڑ دے گی۔ نصیحت اور پر درد نصیحت کے ذریعے ان کو سمجھائیں اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو پھر دل میں برا مناؤ۔ دل میں برا منانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دل کے اندر ہی برا منا کر محسوس کر کے بیٹھ جاؤ۔اس برا منانے کا کوئی اثر ضرور ظاہر ہونا چاہئے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ایسی مجالس جن میں بدذکر چل رہے ہوں ان میں برا منانے کا ایک طریقہ خود سکھا دیا ہے۔ فرمایا جب تک ایسی باتیں ہیں ان سے اٹھ کے آجاؤ۔

پس ایسی شادیاں ہو رہی ہوں جہاں بے حیائیاں ہو رہی ہوں اور بعض دفعہ تو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ اس بہانے کہ لڑکیاں ہی ہیں ناچ کئے گئے ہیں اور اس بہانے کہ صرف گھر کے لوگ ہیں تو دولہا میاں نے بھی بیوی کے ساتھ مل کے وہاں ڈانس کئے۔ یہ شاذ کے طور پر واقعات ہیں۔لیکن نہایت ہی خطرناک دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ اگر یہ دروازے بند نہ ہوئے اور آئندہ یہ باتیں رواج پا گئیں تو جنہوں نے یہ دروازے کھولے ہیں ان پر آنے والی نسلوں کی بھی لعنتیں پڑیں گی۔اور وہ خدا کے نزدیک ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے۔ یہ کوئی بہانہ نہیں ہے کہ اور نہیں ہیں ہم ہی ہیں۔ ہمارے سامنے کیا ہو رہا ہے۔ اصل میں یہ باتیں اس بات کی مظہر ہیں کہ دل میں غیر اللہ کا رعب پڑ چکا ہے۔ وہ بعض باتیں غیر سوسائٹیوں میں دیکھتے ہیں اور بڑا سخت دل چاہ رہا ہوتا ہے کہ ہم بھی ایسا کریں

جب دل چاہنے لگ جائے تو اس کے ہو گئے جس کے اوپر دل آ گیا۔ اب موقع ملنے کی بات ہے۔ بہانہ ڈھونڈ کر مخفی طور پر، چھپ کر کھائیں یا لوگوں کے سامنے کھائیں۔ جہاں تک دل کی خواہش سے کھانے کا تعلق ہے وہ واقعہ تو ہو گیا۔ اب سؤر کھانا منع ہے یہ مطلب تو نہیں کہ سوسائٹی میں منع ہے۔ چھپ کے کھانا بھی تو اسی طرح منع ہے جس طرح باہر کھانا منع ہے۔ تو اگر رسمیں بے ہودہ ہیں اور وہ دجالی رسمیں ہیں تو وہ چاہے آپ سب کے سامنے کریں چاہے چھپ کے کریں ان کی دجالیت تو ضرور اپنا زہر ظاہر کرے گی اور آپ کی روحانیت کو ضرور مارے گی۔

آپ کیا تصور کر سکتے ہیں کہ ایسے لوگ جو شادیوں کے بہانے یا اس قسم کی بے پردگیاں کریں آنے والی مہمان عورتوں کی عزت کا بھی خیال نہ کریں، بیرے باہر کے کھلم کھلا اندر پھر رہے ہیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آج کل کی ماڈرن سوسائٹی میں یہی چل رہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے مہمان عورتوں کی عصمت سے کھیلنے کا ان کا کیا حق ہے۔ اگر بے حیائی کرنی ہے تو پھر مہمان خواتین کو ایک طرف کر دیں ان کو کہیں آپ اٹھ کے چلی جائیں۔ جن کو اپنی عزت اپنے پردے کا پاس ہے وہ یہاں نہ بیٹھیں کیونکہ ہم ایسی حرکتیں کرنے والے ہیں جن کو آپ لوگ پسند نہیں کریں گے۔ ان کو یہ چاہئے کہ پھر ان کو الگ کر کے پھر اگر کچھ گند کرنا ہے تو کریں لیکن ذمہ دار ضرور ہوں گے اس گند کے لیکن مجھے یہ اطلاعیں بھی ملتی ہیں کہ مہمانوں کو بلایا گیا اور اس کے بعد مردوں کو جو کھلم کھلا بیچ میں پھر رہے تھے ان کو چھٹی دی کہ اچھا جی اب تم لوگ چلے جاؤ اب ہم یہاں خواتین ہیں اور اس کے بعد غیر مرد، بیرے، لچے لفنگے ہر قسم کے گندے اخلاق والے ان کو کہا آ جاؤ اب اندر کھانے سرو کرو یہ کرو وہ کرو۔

قرآن کریم نے جہاں گھر کے نوکروں سے پردے میں نرمی کا اظہار فرمایا ہے وہاں ایسے نوکروں کا ذکر ہے جن میں اربہ نہیں رہی۔ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ (النور:۳۲) جن کے اندر، گھر والے جانتے ہیں کہ کوئی نفسانی خواہش کا شائبہ بھی موجود نہیں ہے اور گھر کے پلے ہوئے بچے یا بڑے ہوئے ہوئے ایسے ہیں جن سے ہر عورت کی عزت کلیۃً محفوظ بلکہ اس کا واہمہ بھی اس کے دماغ میں نہیں آ سکتا۔ اس ذمہ داری پر اس اصول کے تابع جب گھر میں نوکروں سے نسبتاً نرمی کی جاتی ہے۔ تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہوٹلوں کے بیروں کو بھی اندر بلا لو اور ان کی موجودگی میں بلاؤ جو تمہارے گھر

کے افراد نہیں ہیں۔

پس یہ سارے نفس کے بہانے ہیں۔ اب آپ یہ بتائیے کہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ یہ سارے لوگ ذکر اللہ کرنے والے ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبتل کے بعد ذکر کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ میں آئندہ خطبے میں انشاء اللہ تعالیٰ اس مضمون کو مزید واضح کروں گا۔ تبتل ہر ایسی چیز سے ضروری ہے جس کے ساتھ ذکر اللہ اکٹھا رہ ہی نہیں سکتا۔ یہ لوگ جن کی نظریں دنیا کی چمک دمک پر جا پڑیں ہوں اور دنیا کی چمک دمک کی مقید ہو چکی ہوں اس کی قیدی بن چکی ہوں۔ جن کے اندر ہر وقت یہ تمنا کروٹیں بدلے کہ موقع ملے تو ہم بھی ایسا کریں۔ جب موقع ملے تو وہ ایسا کرتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی سوچیں ان کو اللہ کے ذکر کا موقع ہی نہیں دیا کرتیں۔ ان کی تمناؤں کے رخ بدل چکے ہوتے ہیں۔ دنیا ان کی مطلوب ہو چکی ہوتی ہے اور یہ خیال کہ عذر سے وہ ایسی بے پردہ مجالس میں شامل ہو کے آئیں اور ادھر بیٹھ کے ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو جائیں۔ یہ محض بچگانہ خیال ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نصیحت فرمائی ہے اس پر تفصیل سے عمل کریں۔ ہر اس چیز سے علیحدگی اختیار کر لیں جس چیز کے نتیجے میں آپ لازماً ذکرِ الٰہی سے محروم ہو جائیں گے۔

اور یہ جو مضمون ہے یہ بہت وسیع ہے چند مثالیں میں نے آپ کو دیں ہیں نصیحت کے طور پر لجنہ کا فرض ہے کہ ان باتوں میں نگران رہے۔ اگر کوئی بلانے والی خود یہ کہہ کر نہیں آپ کو اٹھاتی کہ اب ہم ایسی حرکتوں میں ملوث ہونے والے ہیں یا ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل پر چوٹ لگے تو قرآن کریم نے جو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ تم خود اٹھ کے آ جایا کرو۔ اس سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتیں۔ یہ ہے اصل معاشرے کا دباؤ۔ ڈنڈے مارنا نہیں ہے۔ ڈنڈے مارنے کے نتیجے میں نصیحت نہیں ہوا کرتی مگر معاشرہ اگر وہ طریق اختیار کر لے جن کی قرآن نے نصیحت فرمائی ہے۔ جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی سنت سے ثابت باتیں ہیں تو نہی عن المنکر کا یہ بہترین انداز ہے اور یہ جو برائیاں بار بار اندر آتی ہیں بار بار دھکے کھا کر باہر چلی جائیں گی۔ ان کو گھر کے ماحول کے اندر خوش آمدید کہنے والا کوئی نہیں ہوگا کیونکہ دوسری طرف سے یہ اثرات جو ہیں یہ بھی پوری طرح بیدار رہیں گے۔ پس یہ انسانی نفسیات سے تعلق رکھنے والی بات ہے کہ بعض برائیاں آپ نکالیں تو واپس آئیں گی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ معاشرے کی خرابیاں بار بار واپس آنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ مگر

قرآن کریم نے اس کے جواب میں نہی عن المنکر کرنے والے مامور فرما دیئے ہیں۔ ہر گھر میں مامور فرمائے ہیں ہر مجلس میں مامور فرمائے ہیں ہر گلی میں، ہر شہر میں۔ان کا کام ہے کہ جب آئیں تو وہ مقابل پر آواز اٹھائیں۔شرافت کی آواز دبنی نہیں چاہئے مگر شرافت کی آواز شریفانہ طور پر بلند ہونی چاہئے اور وہ وہی طریق ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا طریق تھا۔ نصیحت کے نام پر بدتمیزیاں نہ کریں، نصیحت کے نام پر دل آزاریاں نہ کریں مگر دل داری کی خاطر نصیحت سے احتراز بھی گناہ ہے۔دل داری کی خاطر خاموشی سے ایک بدی کو قبول کر لینا بھی ایک بہت بڑا گناہ ہے۔یہ درمیان کی جو صراط مستقیم ہے۔اس پر قائم رہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)